Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جلیل عالی کا نظریہ فکر و فن

*ڈاکٹر سائرہ بتول

ABSTRACT

The subject article is a critical appreciation of the personality and work of one of the contemporary iconic literary figures Jalil Aali. Being in sync with the requirements of our current digital hi-tech age, Jali Aali, who also happens to be a widely known poet and critic of his unique style, firmly believes and advocates that though a poet should be well grounded in the classic poetic tradition, yet he/she must still have their own unique viewpoint, and as such condemns those who are biased in favour of a particular literary trend, school or movement. While idealizing Iqbal and Faiz, he deeply appreciates and kind of follows the trend set by such giants as Nadeem Qasimi, Sardar Jafery and Akhtar Al-Eman who maintained their own independent style and genre despite the fact that were known for being strong advocates of the Progressive Movement. As such, Jail Aali equates this kind of literary trend and theory as a national service.

جلیل عالی عہد حاضر کے منفرد طرزِ فکر رکھنے والے شاعر اور نقاد ہیں۔ ادبی حلقوں میں ان کے تنقیدی نظریات میں موجود قومی و تہذیبی عنصر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فکر و فن کے حوالے سے اُن کی بحثوں کا سلسلہ کافی طویل ہے۔ دورِ حاضر کے تقاضوں کے پیشِ نظر وہ سوشل میڈیا پر بھی آج کل اپنے ان نظریاتِ فکر و فن کو پیش کر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ بذاتِ خود ایک ادبی خدمت ہے۔ عالی صاحب کے فکر و فن کے نظریات کے حوالے سے ایک چیز جو سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ شاعر کی انفرادیت ہے یہ بات ان کے متعدد تنقیدی مضامین میں دہرائی گئی ہے کہ شاعر کی شناخت اس کے الفاظ، اس کا اندازِ بیان اس کی تمثیلات اپنی تراکیب اور لب و لہجہ ہونا چاہیے۔ روایت سے جڑے رہنے کے باوجود اس میں ذاتی نکتہ نظر موجود ہونا چاہیے۔ ایسے روایتی مضامین جو شاعر کو علیحدہ تشخص نہ دے سکیں ان کے نزدیک محض ذہنی مشق ہے اور وہ اسے بھرتی کے شعر کہتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے شاعر کا انفرادی لہجہ اس کی ذاتی شناخت کے ساتھ ادب کا دائرہ وسیع کرنے کا سبب بنتا ہے۔ وارداتِ عشق ہو یا وارداتِ زمانہ شاعر کا منفرد بیان ہی اس کے اور یجنل شاعر ہونے کا ثبوت ہے۔ "فیض کا فکری اور شعری تشخص" میں اس خیال کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ ادبی تحریک سے وابستگی یا عدم وابستگی کے باوجود شاعر کا اپنا وژن بہت ضروری ہے۔ اُن کا کہنا ہے:

> "کیا ترقی پسند تحریک سے وابستہ علی سردار جعفری، اختر الایمان، فیض اور ندیم زندگی اور کائنات کے بارے میں یکساں ویژن اور رویوں کے حامل ہیں؟" (1)

اپنے اسی سوال کے جواب میں وہ خود ہی ایک تخلیق کار کے بارے میں اپنا نکتہ نظر اپنا واضح کرتے ہوئے وہ ایسے تخلیق کاروں کو سراہتے نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنا تخلیقی تشخص برقرار رکھا ہو۔ تخلیق کار کے تشخص میں اس کی فکر اور اس کے نظریے کو اس کی منفرد سوچ کا ثمر قرار دیا ہے۔ یہی انفرادیت اس کی شاعری میں مختلف معروضات کی نئی جہتیں متعارف کراتی ہے۔ اُنھوں نے اپنے تنقیدی مضامین میں ان شعراء کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے ادب میں اپنی شناخت بنائی. ادبی افق پر ان کے نام کو پذیرائی ملی اور اپنے عہد کے باقی شعرا میں اپنی انفرادیت کے باعث زیادہ معروف ہوئے۔ نیز اُنھوں نے ایسے شعراء کے رویے پر اظہار افسوس کیا جو کسی ادبی تحریک سے وابستہ ہو کر اپنے فکری طرزِ احساس کو چھوڑ دیں۔ تقلید کی روش اُنھیں پسند نہیں ایسی تقلید جو فکری جولانی کی لئے سنگِ راہ ہے۔ انفرادی شناخت تخلیق کار کا بنیادی امتیاز ہے اور جلیل عالی نے اسی نکتے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے تنقیدی مضامین میں ایسے شعرا کی تعریف کی ہے جو اپنی شناخت برقرار رکھنے میں کامیاب ہیں مثلاً منیر نیازی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"منیر نیازی کی سالم تہذیبی شخصیت نہ تو کسی انسان سے دستبردار ہو سکتی تھی اور نہ کسی محدود تحریک کے بہاؤ میں بحث کرتی تھی اس کی سرشت میں ایک ترکیبی جوہر کارفرما تھا وہ اپنی نفسی کیفیات کو شعر بنانے والا صاحبِ واردات شاعر تھا۔ (۲)

ادبیاتِ عالم میں ایسی ہی انفرادیت پسندی نے شعراء کو اپنے دور میں ممتاز کیا۔ شیکسپیئر، غالب، اقبال اور فیض کا اپنا لاثانی نظام اپنا انداز فکر ہی انھیں شناخت عطا کرنے کا باعث بنا اور ادب کا دامن وسیع ہوا۔ جلیل عالی کے نزدیک شاعر کی انفرادیت اور فکری نظام ایسا ہو کہ اس کی تحسین و تفہیم کے لیے نئے سانچے تلاش کرنے پڑیں۔ منیر نیازی کو پورا شاعر کہتے ہوئے انھوں نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے کہ اسے ڈھلے ڈھلائے تنقیدی سانچوں سے نہیں سمجھا جا سکتا جلیل عالی کا یہ نظریہ آمد اور آورد، شاعر اور متشاعر کی بحثوں کی ایک کڑی نظر آتا ہے۔ خیال کی وسیع دنیا اور اظہار کے نئے پیرائے دراصل فکری بلاغت سے خود بخود ہاتھ آتے چلے جاتے ہیں۔ اُنھوں نے جہاں جینوئن اور وقیع تخلیقی واردات کے حامل شعرا کا تذکرہ کیا ہے وہاں واضح کر دیا ہے کہ حقیقی تخلیق کار کی منفرد تخلیقی ذات ایک الگ تخلیقی امکان کو سامنے لانے کا سبب بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تنقیدی مضامین میں اُن ہی شعرا کا تذکرہ ہے اُن ہی کے فن سے بحث ہے جن کی فکری عبقریت، شاعرانہ اپج نے انہیں امتیاز دیا ہے آفتاب اقبال شمیم کے حوالے سے اُنھوں نے اپنے نظریہ فن کے اسی نکتے کو بنیاد بناتے ہوئے کہا ہے کہ مغربی فلسفوں سے متاثر ہو کر اپنے نظریہ یا خیال کو پس پشت ڈال دینا کوئی قابلِ تعریف بات نہیں ہے اسی لئے وہ درآمدی تحریکوں اور نظریات سے وابستگی کو ناپسند کرتے ہیں۔ حالی اور آزاد کی نظم پسندی اور غزل کو پس پشت ڈالنے کو بھی وہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے نزدیک حقیقی تخلیق کار کی انفرادیت از حد ضروری ہے۔

اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"غیر معمولی اور منفرد تخلیقی واردات رکھنے والے شاعر کی ترکیبیں، استعارے، علامتیں اور تمثالیں بھی دوسروں سے مختلف ہوتی ہیں۔" (۳)

عالی صاحب کے نظریے کے مطابق مختلف تحریکات سے وابستگی شاعر کی ذاتی فکر کی موت کا سبب بنتی ہے۔ خیالات اور افکار سے استفادہ الگ چیز ہے مگر مخصوص خیالات کی محض پیروی درست نہیں ترقی پسند شعراء اور جدیدیت کی رو میں بہہ جانے والوں کے بارے میں کہتے ہیں۔

"زندگی کی جامعیت کی بجائے اپنے اپنے محدود منطقوں کے ناطے جزیروں کے شاعر بن گئے کوئی منشوری ترقی پسندی تک محدود ہو گیا تو کوئی بات کی بھول بھلیوں میں کھو گیا بعض تو ایسے تھے جو رومانی محبت کی سرمئی دھند سے ہی باہر نہ نکل سکے۔" (۴)

اقبال، ندیم، فیض کے اسی لئے معترف نظر آتے ہیں کہ وہ ذات، کائنات، انسانی اقدار کو شاعری میں سمو کر شاعر کا حقیقی مقصد حاصل کرتے ہیں وہ متداول فکری کلامیوں کی بجائے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کو سراہتے ہیں فکری ہمہ جہتی کا بیانیہ ان کے نظریہ فن کا بنیادی نکتہ ہے ۔ حقیقی فنکار اپنے معاشرے کا ترجمان ہوتا ہے وہ مستعار نظریات کا تابع نہیں ہوتا وہ خیالی دنیاؤں کی سیر کر کے حالات سے فرار اختیار کرنے والا بھی نہیں ہوتا بلکہ معاشرتی زندگی عصری شعور اور اپنی تہذیب اس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ مورخ، مبصر، مصلح اور رہبر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مخصوص نظریہ پسندی تخلیق کار کے لئے خطرناک ہے۔ تخلیق کار کو اگر سماجی شعور اور معاشرتی تبدیلیوں کا احساس نہیں تو اپنے منصب سے انصاف نہیں کر رہا۔

ترقی پسندوں پر انھیں یہ اعتراض ہے:

ترقی پسند جو سیاسی، معاشرتی اعتبار سے گہرے تاریخی شعور کے دعوے دار تھے متحدہ ہندوستان میں جاری تحاریکی لہروں اور تبدیلیوں سے اتنے بے بہرہ رہے کہ انہیں ایک بڑے تاریخی عمل کا احساس اس وقت ہوا جب قرارداد پاکستان کو منظور ہوئے پانچ چھے برس بیت چکے تھے (۵)۔

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تخلیق و تنقید ہر دو سطحوں پر وہ معیارات کے لیے علیحدہ پیمانوں کو ضروری سمجھتے ہیں تنقید ادب کے معاملے میں مستعار تنقیدی پیمانوں کو پسند نہیں کرتے اُن کا کہنا ہے کہ مغربی تنقیدی پیمانے اور شعری ہئیتیں ہماری تخلیق کے لیے ساز گار نہیں، نقالی مغرب جو ہمارے ادبی منظر نامے میں جاری ہے، اُسے وہ مسترد کرتے نظر آتے ہیں۔

عالی صاحب شاعرانہ عمل کو تخلیقی واردات کا نام دیتے ہیں اور اس کی تفہیم کے لیے وہ فکری اور تہذیبی تخلیقی روایت کے شعور کو ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ تہذیب بہر کیف انسان کی فکر کو متاثر کرتی ہے۔ ہر تہذیب کے اجزائے ترکیبی شاعر کی فکری تربیت اور فکری سرمائے میں زمین کی مانند ہوتے ہیں ۔ جہاں فکر چمن کو کھلنے کا موقع ملتا ہے لہذا وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فن کو حقیقی اور با مقصد بنانے کے لیے اس روایت سے جڑے رہنا ضروری ہے ۔ وہ ہئیتی نقالی اور مغرب سے مستعار فکری رویوں کو رد کرتے ہیں ۔ مغرب کی نقالی سے بیزاریت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

معاشرے سے جڑے رہنا فن کار کی خوبی ہے اس لیے وہ اس کے شعور ولاشعور موجود وامکان کے تصوارات کو بھی فکری و تہذیبی رروایت سے ہم آہنگ کرنے پر زور دیتے ہیں۔وہ اس مکتب تنقید کے ہم خیال ہیں کہ زبان اور شعر و ادب کی درست تفہیم کے لیے بھی تہذیبی اور فکری شعور کا ہونا ضروری ہے۔

وہ تخلیق کے باطن میں کسی قوم کے حقیقی باطن کو سانس لیتا محسوس کرتے ہیں تو اس صورت میں ایک چیز جو تلازم کے طور پر آتی ہے یہ کہ تخلیق کار قوم کا فکری ترجمان ہوتا ہے۔وہ تخلیق کار کے اندر اس قومی ترجمانی کو تلاش کرتے ہیں۔اگر گریبان چاک کرنے کا استعارہ ذاتی وفورِ شوق اور بے کلی کا اظہار ہے تو مجموعی طور پر معاشرے کی بے توفیق قدروں کے خلاف علم بغاوت کا نشان بھی ہے۔ تخلیق کار نا مطلوب ہئیتوں کی تصویر کشی بھی انہی استعارات اور تماثیل سے کر سکتا ہے۔ تخلیق کار کی فنکارانہ اور استادانہ مہارت کا ثبوت اس کے استعارات، تشبیہات، محاکات ہیں اور یہ بات اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فکر و خیال کے وسیع کینوس اور کیسے الفاظ کے روپ میں ڈھالتا ہے۔انتخاب الفاظ انداز بیان ہی اس کی فنی عظمت کو جاننے کا پیمانہ ہیں کیونکہ جب زبان پہ قدرت ہو تو اندازِ بیان میں جدت اور ندرت خود بخود آتی ہے۔

اقبال کی طرح عالی صاحب نے بھی شعر کو ایسا ذریعہ اظہار قرار دیا ہے جو بظاہر عام باتوں کو اس طرح بیان کریں کہ گنجینہ معنی کا طلسم آباد ہو جائے۔جمالیاتی نقادوں کی طرح وہ پیرائیہ بیان، بلندی اظہار، فکر اور جدت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

جیسا کہ اُنھوں نے کہا ہے:

> "روحانی واردات کی طرح شعری تجربے کا بھی یہی وصف ہے اس سے بڑے بڑے تضادات زائل ہو جاتے ہیں اور یہ ایسے فکر و احساس کے ابلاغ کی راہ نکال لیتا ہے جنہیں عقلی اور منطقی پیمانوں میں سمونا محال و ناممکن ہوتا ہے تخلیقی واردات اپنے حسن و جمال اور اکتشاف و دریافات کے ایسے پہلو رکھتی ہے کہ بیشتر بے معنی دکھنے والے خیالات کو با معنی بنا دیتی ہے۔" (۶)

عالی صاحب کے نظریہ فن کا ایک اہم نکتہ لسانی تشکیلات ہیں۔لسانی تشکیلات کی دو اقسام پر بحث کرتے ہوئے وہ ایک لحاظ سے اسے سراہتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف اس مطمع نظر کی نفی کرتے ہیں کہ ارادتاً زبان کی نئی تشکیل کے سامنے باہم پہنچانے میں زبان کو نئے خیالات سے عاری کر دیا جائے۔اُنھیں یہ لسانی کسرتیں پسند نہیں، جس طرح اُستاد داغ کے بارے میں رائے قائم کی جاتی ہے کہ وہ زبان کو سنوار گئے اور شاعری کو بگاڑ گئے اسی طرح عالی صاحب بھی کہتے ہیں ادب احساس جمال کا نام ہے۔وہ شبلی کی طرح شعری جمالیات کو اہمیت دیتے ہیں۔اُن کا خیال ہے کہ لفظی شعبدہ بازیوں کے لئے زبان کا استعمال کرنے سے زبان فکری خزانوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ لسانی تشکیل کے لئے افتخار جالب، ظفر اقبال اور دیگر شعراء کی شعوری کوششیں اور زبردستی نئی تراکیب کو استعمال میں لانے کی مشقیں زبان گھڑنے کی میکانکی کوشش محسوس ہوتی ہے۔وہ اسے کبھی دیہات سدھار پروگرامسے تشبیہ دیتے ہیں اور کبھی ایسیخلائی سوچ قرار دیتے ہیں جسے تعمیر کی لذت سے آشنائی نصیب نہیں ہوتی۔

ایسی کوششوں کو اُنھوں نے ادب کے ناکام تجربات کا نام دیا ہے۔لیکن یہ بات اس کی غماز نہیں کی اُنھیں جدید لسانی تشکیلات اور اختراعات سے کوئی دلچسپی نہیں یا وہ اسے قطعی غیر ضروری قرار دیتے ہیں اُنھوں نے اپنے تنقیدی مضامین میں اقبال، فیض اور احسان اکبر کے کلام میں نئی لسانی تراکیب اور تشکیلات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اس کو ان

Vol.4 No.4 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

شعرا کی فکری پختگی اور قوتِ اظہار پر قدرت کا سبب قرار دیتے ہیں ہیں۔ خالد احمد کی خوب صورت تشبیہات، انوکھے استعارات نادر علامات اور نئی تماثیل کو وہ ان کی فنی پختگی سے تعبیر کرتے ہیں جو ایک جہاں دیگر کی تعمیر میں مدد گار ہے۔ عالی صاحب نے جن شعرا کے بارے میں تنقیدی مضامین لکھے ان کی اس خوبی کی تعریف کی ہے کہ وہ کرشماتی طور پر نئی فضا کی تشکیل کرتے ہیں اُن کی شاعری جاگتی اشیاء کا تاثر نہیں دیتی بلکہ قدرت اظہار و بیان سے نئے منظروں کو تخلیق کرتی ہے۔ احسان اکبر کی تخلیق "ہوا کی بات" میں بھی وہ جمالیاتی تنقید کے اسی پہلو کو موضوع سخن بناتے ہیں اور وہ تشبیہات کی ندرت کے ساتھ تہزیبی اور تاریخی مزاج سے ترکیب پانے والی اس شاعری کو عہدِ رفتہ کی یادگار اور عہد آئندہ کا شاہکار قرار دیتے ہیں۔

عالی صاحب کے تنقیدی اشارات ظاہر کرتے ہیں کہ وہ یک رخی اور چونکا دینے والی شاعری کو پسند نہیں کرتے، نہ ہی سادگی پسندی اور روکھی پھیکی اظہاریت کے قائل ہیں۔ وہ ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کے خیال کے حامی نظر آتے ہیں۔ عالی روایت سے بغاوت کے منکر ہیں اُن کا خیال ہے روایت شعری اور روایت قومی سے جڑے رہنا بہت ضروری ہے مگر اس میں مغلوب اور مفتوح ہونے کو پسند نہیں کرتے اُن کا خیال ہے کہ روایتی مضامین استعارات و تشبیہات کو نئے معنی پہنائے جائیں۔

توصیف تبسم کی شاعری ہو یا منیر نیازی کی غزل گوئی حفیظ تائب کا غزلیہ آہنگ ہو یا خالد احمد کی غزل گوئی سب میں اپنے عہد کی زندہ واردات کی پیشکش کا معتبر حوالہ ہے۔ ان شعرا کی شاعری روایت کے حوالے سے تخلیقی تسلسل کی ایک کڑی ہے۔ اُن کی شاعری میں اس تہذیبی لب و لہجہ کی پیش کش عالی صاحب کے نزدیک فن کی عمدگی کی دلیلیے اور یہی خوبی اُن کے نزدیک ان شعرا کی دلپذیری کا سبب بھیے۔

اپنی فکری روایت سے جڑت اُن کے نظریہ فن کا اہم نکتہ دکھائی دیتا ہے۔ ادبِ عالیہ میں فیض کے مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے عظیم اور آفاقی شاعری کے اس اصول کو مدِ نظر رکھا ہے اکہ ان کا کلام انسان دوستی، اشرف آدمیت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا مرقع ہے۔ نیز یہ کہ فیض نے اپنی فکر کے ان اجزائے ترکیبی کو تہذیبی روایت سے ہم آہنگ کر کے ایک نئی دنیا تشکیل دی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو ادب کو دوامیت بخشتی ہے۔

ادب اور تہذیب کا رشتہ ضروری سمجھتے ہوئے وہ قومی شناخت، اقدار، ترجیحات، روایات کو ادب میں سمونے کو اہم گردانتے ہیں ادب اور تہذیب کا تعلق اٹوٹ ہے۔ ادب اور تہذیب کے رشتے گہرے ہیں ادب ایک سماج اور تہذیب کی تفہیم میں مددگار ہے۔

منیر احمد شیخ کہتے ہیں:

> "ادب معاشرے کی تہذیب کا مظہر ہے اور تہذیب کو پرکھنے کے لیے اس معاشرے کے ادب کو معیار بنایا جاتا ہے لہٰذا وہی تہذیب دولت فکر سے مالامال ہو گی جس کے یہاں ادب اجتماعی اور انفرادی زندگی کا ترجمان ہو گا۔" (۷)

ادب و تہذیب کے اس رشتے کے تناظر میں اُنھوں نے اس تخلیق کار کو سراہا ہے جو تہذیب سے جڑا رہتا ہے اور تہذیب کا عکس اس کی شاعری میں نظر آتا ہے جلیل عالی کے نظریہ فن میں ایک اہم نکتہ حیات و کائنات سے فنکار کا رشتہ ہے اس کی حیات و کائنات کائنات پر گہری نظر ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ تخلیق کار خیالی دنیاؤں کا باسی نہیں ہوتا حقیقی یا جینوئن تخلیق کار وہی ہے جو حیات و کائنات سے لاتعلقی کو گناہ سمجھے، کائناتی حقائق سے چشم پوشی تخلیق کار کے لئے پیام فنا ہے۔ تہذیبی وابستگی کے حوالے سے ان کا نکتہ نظریہ ہے:

> "شاعری شاعر کے جمالیاتی احساس اور سماجی تہذیبی سروکاروں کا مرکب اظہار ہے اور ایک ناقابل تقسیم وحدت ہوتی ہے لہٰذا شاعر کا تمثالی علامتی برتاؤ بھی اس کے مخصوص طرز فکر اور احساس ہی کا عکاس ہوتا ہے۔" (۸)

شاعری کی بلند مقصدی عالی صاحب کے نزدیک ایک اور یجنل تحقیقی کار کے لئے بہت ضروری ہے۔ شاعر اعلی اخلاقی اقدار کا ترجمان ہو اور وہ معاشرتی جبر کے خلاف آواز اٹھانے والا ہوں احمد ندیم قاسمی کی جرات مندی انھیں مرغوب ہے کہ وہ جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہتا ہے سچ کے حق میں گواہی اور جبر کے خلاف آواز اٹھانا تخلیق کار کا

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اولین فرض قرار دیتے ہیں۔ فیض، ندیم اور دیگر شعراء سے متعلق مضامین میں انسانی اخلاقیات کا بیان اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا پرچار ان کا خاص موضوع رہا ہے لہٰذا عالی صاحب ان شعراء کی عظمت کے معترف ہیں جو رجائیت اور آمد بہار کی نوید دیتے نظر آتے ہیں۔ اقبال نے بھی ایسے مغنی کو ناپسندیدہ کہا جو چمن کو افسردہ کرے اس نکتہ نظر کو عالیؔ نے بھی نقدِ شعر میں بنیادی اہمیت دی ہے۔

جبر کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھارنا ایک تخلیق کار کی اولین ترجیح ہونی چاہئے اور یہی اس کے اور ایجنل تخلیق کار ہونے کا بنیادی وصف ہے۔ جلیل عالی اس تخلیق کی ذمہ داری اور احساس کے بارے میں کہتے ہیں:

"ہر سچے تخلیق کار کے خمیر میں ظلم و ستم اور جبر و استحصال کی مخالفت کا عالمگیر جذبہ ہوتا ہے۔"(۹)

عالی صاحب نے اقبال کی فکر سے استفادہ کیا اور وہ اس کی ترویج کے بھی خواہاں تھے۔ اقبال کے نظریہ فن سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کے خیالات میں اقبال کے نظریات فن کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ رجائیت اقبال کے نظریہ فن کا بنیادی پہلو ہے وہ ایسے فن کو موت قرار دیتے ہیں جو قوموں میں مجہولیت پیدا کرے لہٰذا تخلیق کار کے لئے مثبت اقدار کا فروغ بہت بنیادی فرض ہے اقبال کے نظریہ فن کے حوالے سے یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ وہ حافظ کو اسی لیے پسند نہیں کرتے کہ وہ گفتار سے بے عملی کا پیغام دیتا ہے
۔

عالی صاحب نے بھی اسی روایت کو تلاش کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ شاعری کا خاصا مثبت اقدار کے فروغ کو گردانتے ہیں۔ توصیف تبسم کی رجائیت کو اسی تناظر میں جانچتے ہیں کہ اس کی شعری واردات اپنی کلیت میں دونوں سطحوں پر ایک مثبت اور تعمیری رویے کی نفسیاتی راہ ہموار کرتی ہے۔

رجائیت پسندی کی اسی روایت کو وہ احمد ندیم قاسمی کی شاعری میں بھی تلاش کرتے ہیں۔ اور حالات کی تلخی گردش زمانہ آلام روزگار میں ندیم کی ناقابل شکست رجائیت کو وہ شاعر کا منصب حقیقی ادا کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ منیر نیازی نے بھی اسی منصب تخلیق سے عہدہ برائی کا فریضہ سر انجام دیا ہے۔جو عالی صاحب کے نزدیک رجائیت کا نغمہے وہ اسے موت سے زندگی کی نمود کا مرحلہ قرار دیتے ہیں ۔

جلیل عالی نے اپنے تنقیدی نظریات اور نظریہ فن پیش کرنے سے چالیس برس قبل اپنے فنی سفر کا آغاز کیا ۔جلیل عالی اقبالی فکر کے تتبع میں شرر کی معنی آفرینی شعر کی مثبت اثر پذیری اخلاق عالیہ کی ترویج اعلیٰ اقدار کے فروغ اپنی قومی و تہذیبی فکر سے جڑت کا فن کے اہم عناصر سمجھتے ہیں ۔

انھیں یک پرتی اور چونکاہٹ پیدا کرنے والی شاعری پسند نہیں ان کا خیال ہے شاعر کو فطرت کا ہم نوا ہونا چاہیے۔ تخلیق کار کے لیے مابعد الطبیعیاتی حوالے سے فکر اور زاویہ نگاہ رکھنا بہت ضروری ہے۔شاعر کو رجائیت کا علمبردار ہونا چاہیے۔ وہ ایک وسیع معنوی اور فکری زاویہ رکھتا ہوا ادب میں وسعت کا سبب بنے روایت سے منسلک رہنے کے باوجود نئے مفاہیم کو، انوکھے موضوعات کو پیش کرے ۔ اور قوم کے لیے مسیحائی کا فریضہ بھی انجام دے۔ ان کا نظریہ فن اقبال کے نظریے کی تائید کرتا ہے ۔"شاعر قوم کی زندگی کی بنیادآباد بھی کر سکتا ہے اور برباد بھی "

شاعر زندگی کی عظمت اور بزرگی کی بجائے موت کو بڑھاچڑھا کر پیش نہ کرے، شاعر کی منفی فکر کو اقبال نے انتہائی خطرناک قرار دیا اور کہا:

کسی اہل ہنر کا مائل بہ انحطاط ضمیر اور تصور ایک قوم کے لیے اٹیلا اور چنگیز کے لشکروں سے زیادہ تباہ کن ہو سکتا ہے۔"
(۱۰)

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جلیل عالی نے بھی اسی نظریہ فن کو فروغ دینے کو حقیقی قومی خدمت سر انجام دینے کے مساوی قرار دیا ہے۔ فن میں مثبت اندازِ فکر کو فن کی گویا جان کہا ہے۔اُن کے نظریہ فن کا خلاصہ مثبت فکر کی ترویج اور موت سے زندگی کشید کرنے کا فریضہ ادا کرنا ہے، جہاں تخلیق کار روایتِ شعری کا امین، قدرتِ کلام کا حقیقی نمائندہ اور ادبی اُفق پر نئے افکار کا نقیب ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔عالی، جلیل، ''شعری دانش کی دھن میں''، (راولپنڈی: حرف اکیڈمی، ۲۰۲۰ء)، ص:۱۵۲

۲۔ایضاً، ص:۱۸۳

۳۔ایضاً، ص:۲۳۶

۴۔ایضاً، ص:۳۴۶

۵۔ایضاً، ص:۱۵۳

۶۔عالی، جلیل، '' عرضِ ہنر سے آگے''، (لاہور: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص:۱۴

۷۔شیخ، منیر احمد، مضمون ''ادب اور ثقافت'' مشمولہ نیرنگِ خیال، (راولپنڈی: مارگلہ پرنٹر، جون ۱۹۹۰) ص:۹۰

۸۔عالی، جلیل، ''شعری دانش کی دھن میں''، (راولپنڈی: حرف اکیڈمی، ۲۰۲۰ء)، ص:۲۴۲

۹۔ایضاً، ص:۲۲۶

۱۰۔اقبال، علامہ، ڈاکٹر، '' مضامینِ اقبال''، مرتبہ تصدق حسین، (حیدر آباد دکن، ۱۳۶۴ھ)، ص:۱۹۷